ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سدرہ طاہر ❁
تحریم مقیم ❁❁
محمد حسنین ❁❁❁

مسعود مفتی کے افسانوں میں معاشرتی حقیقت نگاری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

Research and Critical study of social realism in the fiction of Masood Mufti

By *Sidra Tahir, PhD Scholar, Dept. of Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad.*
Tehreem Muqeem, MPhil Scholar, Dept. of Urdu, The Islamia University, Bahawalpur, Rahim Yar Khan Campus.
Muhammad Hasnain, Visiting Lecturer, Dept. of Urdu, Govt. Degree College 170, Jhang.

ABSTRACT

In the contemporary literary scene Masood Mufti is one of the best legendary writer of Urdu. In this Article through Research and critical study of Masood Mufti's Fiction the real picture of the society is depicted. In Masood Mufti's fiction characters are not only familiar from real life, In this environment Masood Mufti and ten million people of his time are breathing. His stories are a manifestation of the facts of life. He has presented the daily life in his fiction. He does not impose his views and observations on the reader. This Research figure out the artistic and aesthetic expression of human passions and feelings that transcends geographical and local boundaries and interprets the experience of the entire human race.

Keywords: Society, Geographical, life, Environment, Experience, Social Realism.

❁ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو زبان و ادب، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
❁❁ ایم فل اسکالر، شعبۂ اردو، دی اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور، رحیم یار خان کیمپس
❁❁❁ مہمان استاد، شعبۂ اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج ۱۷۰، جھنگ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مسعود مفتی (۱۹۳۴ء۔۲۰۲۰ء) نے معاصر ادبی منظر نامے میں اپنی فطری صلاحیتوں، خداداد ذہانت اور محنت سے ملک گیر شہرت حاصل کی۔ وہ نہ صرف ایک اعلیٰ پائے کے منتظم تھے بلکہ اردو کے عہد ساز افسانہ نگار ممتاز ڈراما نگار، رپورتاژ نگار، ناول نگار، افسانہ نگار اور کالم نگار کی حیثیت سے بے حد نمایاں شناخت کے حامل ادیب ہیں۔ خاص طور پر افسانہ نگاری اور رپورتاژ نگاری کے میدان میں متعدد ادبی انعامات حاصل کر چکے ہیں۔ قومی ادب کے حوالے سے انھیں عہد حاضر کے نثر نگاروں میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ انھوں نے اپنی عملی زندگی کے دوران گردوپیش کے حقیقی واقعات کو افسانوی رنگ میں پیش کیا۔

مسعود مفتی نے اپنے ادبی سفر کا آغاز بحیثیت مزاح نگار کالج کے زمانے سے کیا۔ یہی وہ دور ہے جب ان کے بنائے ہوئے کارٹون بھی کالج میگزین ''کریسنٹ'' اور ''راوی'' میں شائع ہوئے۔ زمانہ طالب علمی اور اُس کے بعد مجید لاہوری کے ''نمکدان'' میں بھی لکھتے رہے۔ یہ دور اُن کی خالصتاً مزاح نگاری کا دور تھا۔ اسی دوران یہ ہفتہ وار میگزین ''چٹان'' اور ''قندیل'' میں بھی لکھتے رہے۔ ان کے مزاحیہ ادب کا دور تقریباً چھ برسوں پر محیط ہے یعنی ۱۹۵۱ء سے لے کر جب ان کا تعلق اسلامیہ کالج لاہور کے میگزین ''کریسنٹ'' سے ہوا۔ جب ''کریسنٹ'' میں بطور سیکرٹری ان کا انتخاب ہوا تو کالج ٹیوٹوریل گروپ کی دوسری نشست میں انھوں نے اپنا ایک مزاحیہ مضمون پڑھا۔ یوں ادب کی دنیا میں ان کا تعارف ہوا۔[۱] ایم اے انگلش کا دور اُن کا تخلیقی دور ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انگریزی ادب میں جب انھوں نے نفسیات اور ادب کا مطالعہ کیا تو ان کی حقیقی صلاحیتیں بیدار ہوئیں۔ یوں وہ کارٹون نگاری سے مزاح نگاری کی طرف آئے۔ لیکن پھر ایک سٹیج پر انھیں مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے اس میں تشنگی محسوس ہوئی یعنی 'کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے' کے مصداق وہ افسانے کی طرف آئے۔[۲]

اپنی یاداشتوں ''جھرنوں سے کرنیں'' میں مسعود مفتی نے اپنے ادبی سفر کی ابتدا اور اس سے رغبت کے محرکات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ آپ واقعات کے تسلسل کو بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ پندرہ سولہ برس کی عمر تک میں کسی بنجر زمین کی طرح ادب کا خاموش تماشائی تھا۔ دل و دماغ تخلیق ادب کے ادراک، خواہش یا امنگ سے خالی تھا۔ کالج میں سائنس پڑھ رہے تھے کہ ڈاکٹر بنیں گے مگر اس رومانی لگن پر اچانک ہونی کے قلم نے خط تنسیخ کھینچ دیا۔ مزید کہتے ہیں:

نہ ہم اپنی نظر سمجھے نہ ہم اُن کی ادا سمجھے[۳]

۱۹۴۹ء میں محض دل لگی کے لیے انھوں نے کالج کے شب و روز کا مزاحیہ سا خاکہ لکھا اور ٹیوٹوریل گروپ کی ہفتہ وار ثقافتی مجلس میں پڑھا۔ اسے پسند کرتے ہوئے ان کے استاد نے انھیں کالج میگزین سے وابستہ کر دیا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جہاں دو سال میں اس میگزین کے کوئی نصف درجن شمارے شائع ہوئے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ قلم ان کے استاد کی دریافت ہے جنھوں نے انھیں پل سے نیچے دھکا دیا اور کہا تیرنا نہ سیکھو گے تو ڈوب جانا ہی بہتر ہے۔(۴)

دوسرا محرک ان کے استاد پروفیسر حمید احمد خان تھے۔ تیسرا محرک سرکاری ملازمت کے دوران افسران کی ان پر ادیب ہونے کی پھبتی کسنا تھا۔ مختلف حالات سے گزرنے کے بعد ادب برائے زندگی کی طرف رجحان بڑھا اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوئے انھوں نے افسانے کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط تر کر لیا اور معاشرے کی حقیقتوں کو افسانے کے روپ میں پیش کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

> افسانے کو اگر ذہنی عیاشی یا نظریاتی وابستگی کا ذریعہ نہ بنایا جائے تو اس کی آزاد اڑان سے بڑا کام لیا جا سکتا ہے۔ چناں چہ میرا اور افسانے کا اکٹھا سفر جاری رہا اور ہم دونوں نت نئی تجربہ گاہوں سے بچتے ہوئے اصل زندگی کی پیچیدہ راہوں میں بھٹکنے والے کرداروں سے ہم کلام ہوتے رہے۔(۵)

مسعود مفتی کی تحریروں میں تین عناصر نے خصوصاً اہم کردار ادا کیا۔ مذہب کی بگڑتی ہوئی شکل کی فرد پر مضبوط گرفت۔ معاشرے میں مشترکہ خاندانی نظام کی فرد پر مضبوط گرفت اور معاشرے کے رسم و رواج کی مضبوط گرفت۔ ان تین مضبوط قسم کی گرفت میں آیا ہوا فرد بے بسی اور لاچاری کی مجسم تصویر بنا نظر آتا ہے۔ مجموعی طور پر اس زمانے میں معاشرہ مضبوط اخلاقی اور مذہبی قدروں کا حامل تھا۔ مسعود مفتی کی تحریروں پر اس گرفت نے گہرا اثر ڈالا۔

مسعود مفتی کے چھے افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جو بالترتیب کچھ یوں ہیں: محدب شیشہ، رگ سنگ، ریزے، سالگرہ، توبہ اور وقت کی قاش۔ ان کی تمام تخلیقات کو دیکھا جائے تو اس میں فرد اور اس کی آزادی مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں مظلوم اور پسے ہوئے انسان سے ہمدردی تھی اپنے آس پاس کے ماحول میں بے شمار سچے واقعات ان کے افسانوں میں مختلف کرداروں کے روپ میں ملتے ہیں۔ جوں جوں حالات بدلتے گئے زندگی بدلتی گئی ان کی کہانیوں کا مرکزی خیال جابر معاشرے، فرد پر ہونے والے ظلم، مشکل زندگی کا المیہ وغیرہ ہے۔ انھوں نے کئی کہانیوں میں صبر کے بارے میں لکھا ہے جن میں 'توبہ'، 'خوش قسمتی'، 'بھیڑیے'، 'کفارہ' شاہکار کہانیاں ہیں۔

اگر مسعود مفتی کو فرد کا مفکر اور اس کی حالت کا عکاس کہا جائے تو غلط نہ ہوگا وہ اردو افسانہ نگاروں سے اس بات پر ممتاز نظر آتے ہیں۔ مسعود مفتی یہ بھی چاہتے ہیں کہ فرض کی شناخت کے ساتھ ساتھ فرد اپنے حق کے لیے کوشش کریں وہ سمجھتے ہیں فرد کا بنیادی حق ہے کہ وہ اپنے حق کے لیے آواز اٹھائے وہ خود اس بات کا اعتراف

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کرتے تھے کہ میرا ایمان ہے جب تک فرد احتجاج نہیں کرتا اس وقت تک قوم کو اپنی گردن پر سوار کئی قسم کے تسمہ پا پیروں سے نجات نہیں مل سکتی احتجاج کی کوئی بھی شکل ہوسکتی ہے چاہے وہ آواز ہو یا کوئی اور انداز ان کے خاندانی پس منظر ان کی شخصیت کو دیکھے تو کہا جاسکتا ہے کہ معاشرے کی منفی قدروں کے خلاف تھے اور فرد کو معاشرے پر ترجیح دیتے تھے وہ ہرگز سوشل نہیں تھے بلکہ وہ اندر سے کٹر مسلمان جو اسلام کے علاوہ کسی ازم کے قائل نہیں وہ بنیادی طور پر ایک ادیب تھے اور ایسا سچا ادیب جو ہر دور میں ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا ہے، ظلم کے خلاف آواز اٹھانا اس کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا درجہ رکھتا ہے لیکن جہاں تک اسلامی قدروں کا سوال ہے وہ کبھی ان کے خلاف نہیں ہوئے۔[۱]

ان کی تحریریں اس حد تک حقیقت پسندانہ ہیں کہ ان میں عوامی ادب کی جھلک اس طور پر دکھائی دیتی ہے کہ عوام کے سامنے کردار انسان کی صورت میں سامنے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں لیکن ان کی تحریر صرف تاریخی شعور اور عمدہ جمالیاتی احساس کی مرہون منت نہیں بلکہ وہ اپنی سوچ کے رستے اجتماعی قومی حوالوں سے بھی متعین کرتے ہیں اور قومی سطح پر ہونے والے مختلف واقعات کے محرکات، انسان کے رویے پر اثر انداز ہونے والے واقعات کی تصویر کشی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مسعود مفتی نے اجتماعی تجربوں کو اپنے ثقافتی پس منظر میں رکھ کر نئے نئے زاویوں کے ساتھ پیش کیا اور ان کو کچھ اس انداز میں پیش کیا ہے کہ زمین اپنے تمام جذباتی اور فکری رشتہ کے حوالے سے ہمارے سامنے ابھرتی نظر آتی ہے ان کے افسانوں میں وطن کی مٹی کی محبت، اپنے وطن کی ہواؤں کی خوشبو رچی بسی ہے اس کے علاوہ گرمی میں پسینہ سے شرابور مظلوم کی آہ و بکا بھی نظر آتی ہے انھوں نے انسان کو رسم و رواج اور انسان میں کیے جانے والے فرق کو فکر کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھتے ہوئے بھی دکھایا ہے۔ مسعود مفتی جس چیز کو عام کرنا چاہتے تھے اسی کو اپنی تحریروں میں لکھ دیتے اس طرح دل میں پائی جانے والی محبت جو کروٹیں لیتی تھی وہ لوگوں تک پہنچ جاتی انھوں نے مختلف یادوں کو جیسے بھارت میں جنگی قیدی کی حیثیت سے اسیری کے دوران اذیت کو بھی اپنے لیے یوں نعمت بنا لیا کہ اپنے ذاتی تجربوں کی مدد سے اپنی یادداشت میں فلم کو قید کرلیا۔ اور ان تمام مشکلات کو اپنی تحریروں میں لکھ کر پاکستان کو ایک ادبی و قیمتی سرمایے سے نوازا۔ اپنا قومی فریضہ بھی پورا کیا اور قلم کی ادبی حرمت کا بھی حق ادا کیا۔[۷]

مسعود مفتی نے فرد کی ذات کو اپنے ادب کا محور بنایا ہے ان کا خیال ہے کہ خدا نے فرد کو آزاد پیدا کیا۔ پیدائش کے وقت فرد پر کسی قسم کا کوئی لیبل چسپاں نہیں ہوتا کہ اس نے بڑے ہو کر یہ کرنا ہے یا اس مذہب کو اختیار کرنا ہے یا بڑا ہونے کے بعد اگر منصب اچھا نہ پایا تو ذلت کی زندگی اختیار کرنی ہے۔ کوئی بھی فرد خود تو یہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نہیں چاہتا کہ وہ ذلت بھری زندگی کو اپنائے لیکن یہ معاشرہ انسان کو انسان کی نظر میں گرا دیتا ہے ہر فرد کو ترقی کے برابر مواقع میسر آنے چاہییں۔ وہ ہر اس شخص کے خلاف تھے جو انسان کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دے۔

ان کے افسانوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان میں وہ قومی شعور بھی نظر آ رہا ہے جو صدیوں کے تاریخی عمل سے پیدا ہوتا تھا ان کی تحریروں میں پاکستانیت کا رنگ موجود ہے ان کی تحریروں کا بغور جائزہ لینے پر پتا چلتا ہے کہ کہ وہ واقعات کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ پڑھنے والا ایک رو میں بہہ جانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور جب وہ کہانی کا اختتام کرتے ہیں تو قاری کے دل میں وہی محبت نظر آتی ہے جو کہ مصنف کے دل کے اندر ہے یعنی اپنی تحریروں کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والا اس کی آغوش میں جائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

وہ ادب برائے زندگی پر یقین رکھتے ہیں۔ ۱۹۵۳ میں ادب لطیف کے سالنامے کے سلسلے میں ملک بھر کے کئی ادیبوں سے ایک سوال بعنوان ''میرا مسئلہ کیا ہے'' پوچھا گیا تھا۔ مسعود مفتی نے اس کے جواب میں یوں لکھا، ''میں کیوں لکھنا چاہتا ہوں؟ میں زندگی کو بہتر کرنے کے لیے لکھتا ہوں۔ افسانہ کو اگر صرف ذہنی عیاشی کا ذریعہ نہ بنایا جائے تو اس سے بہت بڑا کام لیا جا سکتا ہے۔ یعنی اپنی سوسائٹی کی اصلاح اور بہتری کی جا سکتی ہے۔ اس حوالے سے میں ادب برائے زندگی پر یقین رکھتا ہوں۔'' اس لحاظ سے وہ ترقی پسند تحریک سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اگر چہ جب وہ ادب کی دنیا میں اپنا مقام پیدا کر رہے تھے اس وقت ترقی پسند تحریک کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ ۱۹۴۹ میں ترقی پسند ادیبوں نے بہت بڑا جلسہ کیا جس میں انھوں نے یہ اعلان کیا کہ: وہ ادب جو زندگی کے قریب نہ ہو اس کو ہم زوال پذیر ادب سمجھتے ہیں۔ اور ایسے تمام ادیبوں کو ادب سے خارج کرتے ہیں جو زندگی کے بارے میں نہیں لکھتے۔'' اس سے اگلے برس ترقی پسند تحریک پر پابندی لگ گئی۔ لیکن ادب کی دنیا میں اس تحریک کی گونج ضرور موجود تھی۔ اس میں کئی نئے آنے والوں نے جن میں مسعود مفتی بھی شامل ہیں، بہت کچھ سیکھا۔ مسعود مفتی کے ادب پاروں میں اس تحریک کا اثر نظر آتا ہے۔

ان کے تمام افسانوں کا اصل محرک حقیقی زندگی کے واقعات ہیں اور زندگی سے قریب ہیں۔ اکادمی ادبیات کے شمارہ ۶۷ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ میں اُن کے بارے میں ایک خصوصی گوشہ شائع ہوا ہے۔ جس میں ان کا ایک تفصیلی انٹرویو شائع کیا گیا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے ان کی ادبی زندگی پر اثرات کے بارے میں انھوں نے کہا: ہم نے لکھنا انھی لوگوں سے سیکھا ہے۔ وہ سب تسبیح کی طرح زندگی کے دھاگے میں پروئے ہوئے تھے۔ کرشن چندر، بیدی، یہ لوگ ترقی پسند تحریک سے منسلک تھے۔ ان سب کے اثرات مجھ پر لاشعوری طور پر آئے۔ ادب

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

برائے زندگی ترقی پسند تحریک کا نعرہ تھا اور میرا بھی ایمان ہے۔ وہ محض نعرہ بازی نہ بن جائے۔ حلقہ ارباب ذوق کی تحریک میں ایک سنجیدہ ٹھہراؤ تھا۔ میری تربیت ان دونوں نے کی ہے۔(۸)

مسعود مفتی کی یہ خوبی ہے کہ انھوں نے کبھی قاری کو تخیلاتی دنیا کی سیر نہیں کروائی بلکہ دنیا جیسی بھی ہے اپنے تمام اچھائیوں اور برائیوں خوب صورتی کے ساتھ پیش کر دیا اور فیصلہ کرنے کا اختیار قاری کے ذمہ کر دیا مسعود مفتی نے ایک موقع پر کہا حقیقت نگاری میرا مسلک ہے۔ مسعود مفتی کے افسانوں میں ان کے کردار حقیقی زندگی سے آشنا ہی نہیں بلکہ یہ اس ماحول کے بڑے عمدہ عکاس ہیں جس میں مسعود مفتی اور اس کے زمانے کے دس کروڑ لوگ سانس لے رہے ہیں۔ ''محدب شیشہ'' کا ماسٹر برکت علی جو اپنی آخرت سنوارنے کے لیے ایک بیوہ کے آنسو پونچھنے لگتا ہے اور خود مجسم آنسو بن جاتا ہے۔ ''گورکن کا'' اللہ بخش جس کے لیے ہر میت زندگی کی نوید لے کر آتی ہے لیکن جب اپنا لڑکا مرجاتا ہے تو انسانی زندگی کی قدر و قیمت آشکار ہوتی ہے اور جو پدری شفقت سے مغلوب ہو کر قبر کھودنے سے ہی انکار کر دیتا ہے۔ یہ سب کردار ایسے ہیں جو ہمارے لیے قطعاً اجنبی نہیں، یہ ہمارے معاشرے کا اہم ترین حصہ ہیں۔ ہم ان سے ہر روز ملاقات کرتے ہیں اور انھیں زندگی کے المیوں کا شکار ہوتے دیکھتے ہیں۔

مفتی صاحب نے اپنے افسانوں میں کردار، قاری اور اپنے درمیان میں سے کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں رکھی۔ وہ اپنے افسانے کو لکھتے وقت پلاٹ کی اہمیت کو بھی نہیں بھولتے او رحقیقت کا ادراک رکھتے ہیں اور پھر اس کو کرداروں کے عمل اور ردعمل کے ذریعے سے پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار قاری کو کسی اجنبی دنیا جیسے نہیں لگتے بلکہ قاری ایسا محسوس کرتا ہے کہ کردار اس کے اردگرد پھیلے ہوئے ہیں اور زندگی کے اتار چڑھاؤ میں وہ کردار اس کے ساتھ ہیں۔ انھوں نے زیادہ تر درمیانے طبقے کے مسائل کو زیر قلم لائے۔ یہ وہ طبقہ ہے جس پر ہمارے معاشرے کا ڈھانچہ کھڑا ہے۔ معاشرتی دباؤ بھی سب سے زیادہ اسی پر ہے یہی اس طبقے کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ نام کی گمنام لڑکی جو اخلاق کا تحفظ کرتے کرتے کنواری رہ جاتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ اس کے لیے نام ہی اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارے اردگرد کتنے ہی ''محدب شیشہ'' کے ماسٹر برکت علی یا پھر نام کی اس گمنام لڑکی جیسے کردار چل پھر رہے ہیں۔

حقیقت نگاری کی ایک مثال 'محدب شیشہ' کے افسانہ 'گورکن' سے ملاحظہ کیجیے:

> اللہ بخش کے لیے موت نہ تو حادثہ تھی اور نہ المیہ۔ غم زدہ چہرے، ابلتے ہوئے آنسو، دبی ہوئی سسکیاں، فاتحہ کے لیے اٹھے ہوئے پُرخلوص ہاتھ اور پھٹی پھٹی آنکھیں اس کے دل میں کوئی تاثر پیدا نہ کرتی تھیں۔ جب مردے کو لحد میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اتارنے سے پہلے کفن کھول کر چہرہ دکھایا جاتا تو ایک کہرام مچ جاتا۔لیکن اللہ بخش اس وقت بھی قبر سے پاؤ پاؤ مٹی نکالتا رہتا... وہ ان سب کی دلی حالت سے بے پرواہ پیسے بٹورنے کی فکر میں رہتا۔(۹)

معاشرے کی ریاکاری کا سب سے بڑا شکار متوسط طبقے ہیں اور ہمارے ملک میں سب سے زیادہ تر مظلوم معاشرہ ہے عددی اعتبار سے سب سے بڑا ہونے کی وجہ سے معاشرے کی تعمیر نو میں سب سے اہم کردار بھی ادا کر سکتا ہے اس طبقے کو چننے کی سب سے بڑی وجہ مسعود مفتی کی یہی ہے ان کی شعوری کوشش ہے کہ ان کی کہانیوں میں متوسط طبقہ ارد گرد گھومتا نظر آتا ہے اس کوشش میں کئی بار منٹو کے بہت قریب نظر آتے ہیں میرے خیال میں ایسا نہیں ہے کہ وہ ادب کے کسی مخصوص حلقوں سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ وہ بغیر کسی تعصب کے ادب سے متاثر ہیں مسعود مفتی کی تحریر پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی تحریک کا حصہ اس لیے نہ بنے کیوں کہ اس طرح ان کو تحریک کی پابندیوں میں رہنا پڑتا اور جو کچھ وہ کہنا چاہتے تھے کہہ نہ پاتے۔

وہ ادیب کی ذمہ داریوں کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جیسے پانی میں گڑ شامل کرنے سے مٹھاس آتی ہے لیکن زیادہ ڈالنے سے وہ مٹھاس بھی ناقابل برداشت ہوجائے گی ادیب کو بھی بس اسی طرح سنبھل سنبھل کر مقصد کو اپنے فن میں شامل کرنا چاہیے ایسا ہرگز نہ ہو کہ پڑھنے والا یہ محسوس کرے کہ اس کو زبردستی پکڑ کر اسے کسی خاص سمت لے جانے کی کوشش کی جارہی ہے جیسے ہی اگر پڑھنے والے کے ذہن میں میں یہ آیا کہ زبردستی قاری کو اس طرف لے جایا جارہا ہے تو ادھر ہی فن کی موت واقع ہو جائے گی مسعود مفتی کے ادب کا مرکز فرد اور تحریر کا محور حقیقت نگاری ہے۔(۱۰)

جس طرح سے فرد کی آزادی کو پاؤں تلے دبایا گیا مذہب کے نام پر معاشرے میں جو جو ظلم وستم ہوئے مسعود مفتی کی نظر میں یہ ہر چیز اسلام کی خدمت نہیں اسلام دین فطرت ہے جس نے انسانیت کا احترام سکھایا اس معاشرے میں جس میں بیٹی کو پیدا ہوتے ساتھ زندہ درگور کردیا جاتا تھا عورت کو ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جاتا تھا اس میں جنت کو ایک عورت یعنی ماں ہی کے قدموں میں تلاش کرنے کا حکم دیا، اسلام نے عورت کو بہت عزت دی۔ اس مذہب کے نام پر قتل و غارت اور فرد کو مصلوب کرنا بظاہر یوں لگتا ہے کہ مسعود مفتی مذہب کے خلاف ہے لیکن ان کی تحریر پڑھنے کے بعد بندہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ مذہب نہیں بلکہ اس کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے خلاف لکھا گیا ہے کہ فرد کی آزادی کے رستے میں رکاوٹ نہیں ہونا چاہیے خواہ وہ مذہب ہی کیوں نہ ہو مسعود مفتی کو افسانہ نگار ان کے خاندان کی مذہبیت نے بنا دیا یہ بات بھی بالکل سچ ہے کہ اس

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مذہبیت نے روایتی ملائیت کی شکل اختیار نہیں کی بلکہ انھوں نے اسلام اور اس کی عبادات کی روح کو سمجھا اور سچے دل و دماغ سے اس کو قبول کرلیا۔ گھر میں اگر کوئی بات کرتے تو بات بات پر کفر کا فتویٰ لگتا تھا اس ردعمل میں وہ افسانہ نگار بن گئے وہ خود کہتے ہیں کہ میں کھل کر جو نہیں کہہ سکتا تھا اس لیے میں نے افسانے لکھنا شروع کر دیے اس طرح سانپ بھی مر گیا گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔(۱۱)

ڈاکٹر انور سدید نے ان کی مذہبیت کے بارے میں یوں تبصرہ کیا۔

> سچا ادب ہمیشہ آزاد اور غیر مقلد ہوتا ہے۔ وہ ہر دور میں ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اور جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہتا ہے۔ مسعود مفتی چوں کہ ایک ادیب ہے اس لیے اس نے یہ آواز بڑے موثر انداز میں بلند کی ہے اور ہر اس کمی کو نمایاں کیا ہے جس سے معاشرہ داغدار ہو جاتا ہے اور صحت مند معاشرے کی ترقی میں رخنہ پڑتا ہے۔ چناں چہ اس کے افسانوں میں مذہب کی کشادگی کے خلاف تو شاید کوئی جذبہ مرتب نہیں ہوتا لیکن ان افراد اور اداروں کے خلاف واضح ردعمل ہوتا ہے جو مذہب کے نام کو معاشرتی ریاکاری کے لیے استعمال کرتے ہیں اور عقیدے کی تقدیس کے نام پر فسادات کو پار کرتے ہیں۔(۱۲)

انسان کی شخصیت کو بنانے میں بہت سارے عوامل کارفرما ہوتے ہیں وہ انسان کی فطری صلاحیت لے کر دنیا میں آتا ہے ان کی بچپن کی تربیت مساوی گھریلو ماحول اور معاشرہ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اس انسان کو کندن بنانے میں مختلف تعلیمی درسگاہیں اساتذہ کرام خدمات سرانجام دیتے ہیں فطری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے مسعود مفتی کو ہمیشہ سازگار حالات ملے یہ مسعود مفتی کی خوش قسمتی ہے گھریلو ماحول مذہبی تھا لیکن اس میں اسلام کی اصل روح کو سمجھنے کی بھی تربیت دی گئی یہی وجہ ہے کہ مسعود مفتی کی تحریروں میں ملا ازم اور ملائیت کے خلاف مواد ملتا ہے خدا کا دوسرا نام محبت ہے، اسے وہ اپنے بندوں سے بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ اس کے بندے دنیا میں محبت بکھیریں اور محبت کے بیج ہر جگہ بوئیں، اگر محبت کے بیج لگائے جائیں گے تو ہر جگہ محبت کی خوشبو بکھرتی نظر آئے گی اگر نفرت کے بیج بوتے رہے تو ہمارے ہاتھ میں صرف کانٹے ہی رہ جائیں گے کیوں کہ پھول کو اگر ہاتھ میں پکڑا بھی جائے تو اسے چھوڑنے پر ہاتھوں سے سے مہک آتی ہے اس لیے ہمیں خوشبو بکھیرنے والا بننا چاہیے وہ کبھی کبھار مذہب کے نام پر ہونے والے ظلم کے زیر اثر سخت بھی ہو جاتے ہیں۔ مذہبی رنگ کی ایک مثال افسانہ 'محدب شیشہ' سے درج ذیل ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> ماسٹر برکت علی کو نماز میں زیادہ مزہ آنے لگا تھا۔ صبح کھڑکی میں بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتا تو جھوم جھوم جاتا۔ وعظ میں مولوی صاحب اگر روز حشر اور اگلے جہاں کا ذکر کرتے یا سزا اور جزا کے متعلق خدا اور بندے کا خود ساختہ مکالمہ پیش کرتے تو ایک اطمینان بخش مسکراہٹ ماسٹر کے ہونٹوں پر کھیلتی رہتی۔ جیسے کوئی غریب بیوپاری مال کی قیمت پیشگی ادا کرنے کے بعد مطمئن سا نظر آئے۔ اس نے پکّا فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ شادی بالکل نہیں کر دے گا بلکہ اپنے اخراجات میں سے چار پانچ سال بچت کرنے کے بعد وہ حج کو جائے گا۔ اور اس عزم کو تازہ رکھنے کے لیے اس نے اپنے کمرے میں رسول کریم کے روضہ مبارک کی خوب صورت سی رنگین تصویر لگا دی۔ جسے دیکھ کر وہ اپنے پروگرام کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگا کرتا۔(۱۳)

یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک ایسا ادیب جس کا مسلک حقیقت نگاری ٹھہرا وہ زن کے وجود سے لاتعلق رہتا دنیا سے وابستہ تمام تر مسائل زن، زر اور زمین ہیں۔ ادب چوں کہ زندگی کا نام ہے اس لیے عورت کا ذکر لازمی ہے انھوں نے عورت کی بات کرتے ہوئے عورت کے جذبات اور احساسات کو اس طرح تحریر کیا کہ قاری کو اچھے انداز میں میں سچائی سے آشنا کر دیا عورت کی نفسیات کے بارے میں انھوں نے گہری نظر سے مشاہدہ کیا جس میں خلوص کا رسیلا پن اور ادراک موجود ہے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کی تخلیقات پر عورت باحیثیت مرکزی کردار ان کی تخلیقات پر حاوی ہے مفتی صاحب نے نہایت جرأت مندی دلیری اور خوب صورت انداز سے عورت کی نفسیات اور جذبات کے ہر رخ کی عکاسی کی ہے۔

اکثر لکھنے والوں نے عورت کو محبت کی دیوی یا مظلومیت کی تصویر بنا کر رکھ دیا ہے اگر حقیقی زندگی میں دیکھا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں عورت محبت کی دیوی ہے خلوص کی عبادت کرتی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ اگر اس کی نفرت کو دیکھا جائے تو اس کی نفرت کی بھی کوئی انتہا نہیں اگر وہ ایک طرف ظلم سہہ سکتی ہے تو دوسری طرف بدلہ لینے کی طاقت بھی رکھتی ہے عورت کے شر سے کوئی انسان بچ نہیں سکتا یہ حقیقت مسعود مفتی کی تحریروں میں جگہ جگہ دکھائی گئی ہے ایک طرف اگر نام کی گم نام لڑکی صرف اپنے نام کی عزت کو برقرار رکھتے رکھتے ساری عمر کنواری رہ جاتی ہے لڑکوں کی خواہش کے باوجود وہ کسی دھوکے کے لیے مائل نہیں ہوتی تو دوسری طرف ایک ہی عورت اپنے بیٹے کے ہاتھوں اس کے باپ کا قتل کروا دیتی ہے یہ سب کچھ وہ اپنے محبوب کی قربت حاصل کرنے کے لیے کرتی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے جو کہ بے وفائی کی انتہا ہے۔ مسعود مفتی نے عورت کی فطرت کے رنگ بڑے قریب سے دیکھے اور انھوں نے جیسا عورت کو پایا ویسے ہی پیش کر دیا۔ انھوں نے بتایا عورت صرف محبت کی دیوی نہیں، مظلوم ہی نہیں بلکہ کئی طرح کے پہلو رکھتی ہے۔ اس کائنات کی خوب صورتی میں جہاں اضافے کا باعث ہے، وہیں دنیا کو کسی فرد کے لیے دوزخ بنانے میں اس کی کوئی مثال نہیں، اچھی بننے پر آئے تو بہت اچھی ہوتی ہے لیکن جب وہ کسی کے ساتھ غلط کرنے کی ٹھان لے تو وہ کسی کی نہیں سنتی مسعود مفتی کے افسانوں میں عورت اتنے زیادہ روپ میں ہے اور جس طرح سے آئی ہے وہ مردوں کی نسبت زیادہ ہے۔

مسعود مفتی کے نزدیک اردو ادب نے عورت کے ساتھ انصاف نہیں کیا اگر ادیب چاہتے ہیں کہ عورت کی زندگی کے تمام پہلو دکھائیں تو پھر انھیں اور اس سے متعلق تمام مسائل پر قلم اٹھانا ہوگا اس چیز کو مانتے ہیں کہ زیادہ تر حالات میں عورت مظلوم ہوتی ہے لیکن یہ بات کہ عورت مظلومیت کی تصویر کے علاوہ کچھ اور نہیں وہ اس سے اتفاق نہیں کرتے نہ اس چیز کو مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عورت کو جس طرح ہے بالکل اسی طرح پیش کرنا چاہیے مثال کے طور پر اگر ایک عورت دوسری عورت کو جب سوتن کے روپ میں دیکھتی ہے تو اس پر ظلم ڈھاتی ہے، اس سوتن کے لیے اردو ادب میں مواد تو بہت سا مل جاتا ہے لیکن جب اپنے سوتیلے بچوں پر ظلم کرتی ہے یا جائیداد یا کسی اور عورت پر ظلم ڈھاتی ہے تو اس کے بارے میں ہمارے لکھنے والے کا قلم خاموش ہو جاتا ہے جو سراسر خیانت ہے۔(۱۴)

مسعود مفتی عورت کے بارے میں لکھنا شروع ہوتے ہیں تو ان کی تحریر میں یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ ان کے ہاں جنس کا جذبہ اپنے فطری رنگ میں نظر آتا ہے وہ اس کو اپنی منزل نہیں سمجھتے اور نہ شجرِ ممنوعہ کہ جس کا ذکر ہی نہ کیا جائے ان کے ہاں اعتدال کا دامن نظر آتا ہے کہ اعتدال کی لگام پکڑے ہوئے وہ قاری کو منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ جس رنگ میں عورت کو پاتے ہیں بالکل ایسا ہی پیش کرتے ہیں باتوں باتوں میں بات کر دیتے ہیں اور معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ عورت کے بارے میں بات کر رہے ہیں عورت ذات کے بارے میں چلتے چلتے وہ بے ضرر سے فقرے کہہ کر خوب صورتی سے فطری حقائق کا بیان کر جاتے ہیں جیسے عورت کے مزاج کی طرح عورت کا خیال بھی قابلِ اعتبار چیز نہیں اور عورتوں کی موجودگی کا احساس ان کے جانے کے بعد ہی ہوا کرتا ہے یا یوں:

> میں کسی بھی ایسی عورت سے شادی کرنے کو تیار ہوں جو میری پہلی بیوی سے مختلف ہو۔ بیوی کی عمر کی کوئی پابندی بیان کرنے سے قاصر ہوں، کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ شادی کی خواہش مند عورتیں ہمیشہ ہی اٹھارہ برس کی ہوتی ہیں اور کئی کئی برس

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اتنی ہی رہتی ہیں۔ میری شرط صرف اتنی ہے کہ جو عورت بغیر میک اپ کے کہیں
(۲۵) برس کی نظر آئے خواہ اصل عمر کچھ بھی کیوں نہ ہو میرے لیے مناسب
رہے گی۔(۱۵)

انسانی جذبوں اور احساسات کا فنی اور جمالیاتی اظہار جو جغرافیائی اور مقامی حدود سے ماورا ہو کر کل نوعِ انسانی کے تجربے کی ترجمانی کرتا ہے ان کی تحریروں میں اس کا رنگ جھلکتا دکھائی دیتا ہے اس لیے قاری کو ان کی تحریر پڑھتے ہوئے آفاقیت کا تاثر بھی ملتا ہے زندگی نے مسعود مفتی کو مختلف تجربات کا موقع دیا یہی وجہ ہے کہ جس نے ان کی سوچ میں وسعت نظری پیدا کی انھوں نے موپاساں، مغربی ادیبوں اور کئی دوسرے روسی ناول نگاروں کا عمیق مطالعہ کیا ان کی ذہنی فضا کچھ ایسی تھی کہ ہر چیز کو تنقیدی نظر سے دیکھتے تھے، نہ جانے اچھے بیوروکریٹ ہونے کی وجہ سے یا اچھے ادیب ہونے کے ناطے۔ ان کی تحریریں صرف اپنے ملک کے کینوس تک محدود ہی نہیں ہیں بلکہ عالمی پس منظر کے تناظر میں ہیں۔ فلپائن میں قیام کے دوران ان کو وہاں مختلف جزائر میں جانے کے مواقع میسر آئے اس طرح کے جزیروں پر جانے سے ایسا احساس ہوتا ہے کہ وقت شاید صدیوں پیچھے چلا گیا ہے ان کی تحریروں میں مثبت اثرات مرتب ہونے کی وجہ یہ ہی نظر آتی ہے کہ انھوں نے زندگی کو اتنے مختلف پہلوؤں سے دیکھا اور بغور جائزہ لیا اس طرح جب وہ اپنے مذہب کی بات کرتے ہیں تو اس کو دوسرے مذاہب کے تناظر میں بھی دیکھتے ہیں دین اسلام کو سلامتی اور امن کا مذہب مانتے ہیں لیکن جب وہ دوسرے مذاہب کا بھی مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ان پر کھلتی ہے کہ کوئی بھی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں خون خرابے یا قتل و غارت کا حکم دیا گیا ہے اس حقیقت کو جاننے کے بعد انھوں نے سالگرہ، فرسٹ کلاس، یا خدا، توبہ اور شناخت جیسی کئی کہانیاں لکھیں ان کی نظر سر عالمگیر آفاقی اور دائمی قدروں پر ہی رہی آفاقیت نے بھی مسعود مفتی کی تحریروں کو اردو ادب میں ایک خاص مقام عطا کیا جس کے وہ حق دار بھی تھے۔(۱۶)

اپنے ملک سے محبت کا عنصر مسعود مفتی کے ہاں ابتدا سے نظر آتا تھا۔ جب انھیں ہندوستان میں قید کے دوران غور و فکر موقع ملا تو ان کے اندر وطن کی محبت نے ایک نئے انداز سے جنم لیا۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

شجر سے ان کی مراد وطنِ عزیز ہے اور وہ پر امید دکھائی دیتے ہیں کہ...

آئے گی اک ہنستی ہوئی صبح آئے گی
اتنا شب سیاہ سے میں بدگماں نہیں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بازگشت میں نذیر قیصر، مسعود مفتی کی کتاب رگ سنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے افسانوں میں اس ملک کی ثقافت اور یہاں کے باشندوں کے لیے ان کی محبت نمایاں ہے۔ اس لیے ان کی کہانیاں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ وہ کہتے ہیں:

> رگ سنگ کے افسانوں میں جنگ کو ایک مختصر عرصے کے کینوس تک میں ہی محدود نہیں رکھا گیا بلکہ ان کا تعلق اپنی ملکی ثقافت، اپنے معاشرے اور اپنے باشندوں کی انفرادی اور اجتماعی صورتوں سے پیدا کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ افسانے جنگ ستمبر پر لکھی جانے والی ان بہت سی تحریروں میں سے نہیں ہیں جنھیں شاید ہم بھلا چکے ہیں یا بھلا دیں گے۔(۱۷)

روانہ نامہ ''نوائے وقت'' میں اختر امان نے ایک مضمون ''قومی ادب کیا ہے'' میں مسعود مفتی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے ادب کی قومی روایت کی سب سے روشن مثال مسعود مفتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

> میرے نقطۂ نظر کے مطابق قومی ادب کے اجزائے ترکیبی تاریخی شعور، عصری تقاضوں کا ادراک اور جمالیاتی احساس ہیں۔ ان تینوں میں سے اگر کوئی ایک چیز موجود نہ ہوگی تو اس کو ہم شاید تاریخ یا صحافت کے خانہ میں تو رکھ سکیں گی مگر ادب یا قومی ادب ہرگز نہیں کہہ سکیں گے۔(۱۸)

ان کے لہجے میں درد کی شدت شکایت کا یہ انداز کسی بھی بات پر کبھی بھی نہ دیکھا گیا وہ اپنے وطن کا نام ہر جگہ منوانا چاہتے تھے اگر ان کے وطن کو کوئی میلی آنکھ سے دیکھتا تو ان میں ایک شدت وقرب کی لہر دوڑتی نظر آتی تھی اس کی وجوہات یہی ہیں کہ انھوں نے کئی ممالک کا دورہ کیا وہاں پر رہتے ہوئے ہوئے لوگوں کے تاثرات اپنے ملک کے بارے میں دیکھے۔(۱۹)

اردو کے نام ور رپورتاژ نگار، افسانہ نگار اور دانش ور مسعود مفتی چوں کہ سانحۂ مشرقی پاکستان کے چشم دید گواہ ہیں اس لیے ان کے افسانے اس دور کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے خارجی حالات کے تحت بدلنے والی انسانی نفسیات کو بیان کیا ہے۔ مسعود مفتی نے ڈھاکہ کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا البتہ کہیں کہیں واقعہ نگاری کا عنصر غالب آ گیا ہے۔ انھوں نے واقعات کو بالکل درست تاریخی تناظر میں اپنے افسانوں کا حصہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے بعض اوقات افسانوں میں رپورٹ یا خبر کا گمان ہونے لگتا ہے۔ مسعود مفتی نے قاری کو اس وقت کے حالات سے باخبر رکھنے کی بھرپور کوش کی ہے کیوں کہ حکومت اس سانحے کے ہر پہلو کو چھپانا چاہتی تھی۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اردو فکشن میں ادیبوں نے حقائق سے پردہ اٹھانے کی ذمہ داری نبھائی اور اسے بہت عمدگی سے پورا کیا۔ جن ادیبوں نے دیانت داری سے قومی تاریخ کا نقشہ پیش کیا ان میں مسعود مفتی کا نام بھی شامل ہے۔ مسعود مفتی کے افسانے پڑھنے کے بعد قاری اس وقت مشرقی پاکستان میں جس قسم کے حالات تھے، ان سے آگاہ ہوتا ہے کہ جب نسلی و گروہی تعصب وبا کی طرح مشرقی پاکستان کی رگوں میں پھیل کر بنگالی اور غیر بنگالی کو الگ کر رہا تھا۔

ان کے افسانوی مجموعہ ''محدب شیشہ'' میں زیادہ تر افسانے ان 'ملاؤں' سے متعلق ہیں جن کا اپنا علم دین کے بارے میں محدود ہے۔ جو اسلام کی اصل روح کو تو سمجھتے نہیں لیکن سادہ لوح عوام کو بہکا رہے ہیں۔ مسعود مفتی ایک وسیع دل کے مسلمان ہیں وہ تنگ نظری کو کسی طور برداشت نہیں کر سکتے تھے جب دیکھتے ہیں کہ ایک مولوی کس طرح سے ایک سادہ لوح مسلمان کو اپنی باتیں بنا کر اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں سے دور لے کر جا رہا ہے تو ان کا ذہن پریشان ہوتا ہے جب وہ منھ سے ان کو کچھ نہیں کہہ پاتے تو یوں ان کا قلم مجبور ہو جاتا کہ وہ مولویوں کے بارے میں کچھ لکھے۔ مسعود مفتی علامہ اقبال کے 'ملائیت' کے بارے میں اس شعر پر یقین رکھتے ہیں: ''کار ملا فی سبیل اللہ فساد'' طارق محمود نے ہفت روزہ قندیل میں مسعود مفتی کے اس افسانے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ محدب شیشے میں شامل افسانوں کی کہانی میں کہیں نہ کہیں ہمیں اپنا چہرہ نظر آ جاتا ہے۔ جو افسانہ نگار کی خوبی ہے۔ انھوں نے موضوعات کے چناؤ میں ہمہ گیری کا ثبوت دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کہانیوں کے کردار کسی خاص طبقے اور خاص طرز زندگی کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ ان کی اہمیت ایک سیلانی شخص کی ہے جو قریہ قریہ گھومتا پھرتا ہے، اپنے آس پاس سے گزرنے والے ہر شخص کے دل میں جھانکتا ہے اور اس کے دل کی دھڑکنوں پر کان لگائے ہوئے ہیں۔''(۲۰)

پہلے افسانے ''محدب شیشہ'' میں زندگی کی بکھری ہوئی کہانیاں ہیں جو مصنف کے گہرے مشاہدے اور فنی خلوص پر مشتمل ہے۔ انھوں نے افسانہ ذہنی عیاشی کے لیے نہیں لکھا اور نہ محض وقتی لذت کے لیے تخلیق کیا بلکہ وہ اس میں تلخ اک حقیقت کو بیان کرتے ہیں جو نامور بن چکے ہیں وہ انسانی الم پر قلم اٹھاتے ہیں ایسی ہی ایک کہانی ''محدب شیشہ'' ہے۔ یہ ان کا پہلا سنجیدہ افسانہ تھا جو ۱۹۵۷ میں رسالہ ''ادب لطیف'' (ایڈیٹر-مرزا ادیب) میں شائع ہوا تھا۔

ان کے افسانے 'خط'، 'جغرافیے کا ماسٹر'، 'رضائی'، 'سپاہی' اور 'دو خون' جنگ کے متعلق بہترین افسانے ہیں۔ 'جغرافیے کا ماسٹر' اور 'سپاہی' داخلی کشمکش کو پیش کرتے ہیں۔ 'رضائی' اور 'دو خون' کا موضوع ایک ہی ہے مگر نوعیت الگ الگ ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

''اپنے'' میں بھائی چارہ اور اتفاق میں برکت دکھائی گئی ہے۔ اس موضوع کو آپ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں؛

> چار دن میں نے غیروں میں رہ کے دیکھ لیا۔ وہاں تو سانس بھی پرایا لینا پڑتا ہے۔ مجھے اپنوں کی قدر اُن ہی دنوں آئی چاچا... چاروں طرف تباہی ہے۔ مکان گر گئے ہیں۔ فصلیں تباہ ہوگئی ہیں تو کیا ہوا۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ ابھی سب بھائی مل کر کام کریں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا اور یہ نہیں دیکھتے چاچا۔(۲۱)

افسانوی مجموعہ ''ریزے'' ان افسانوں پر مشتمل ہے جو مشرقی پاکستان کے پس منظر میں لکھے گئے۔ یہ کتاب قومی ادب شمار کی جاتی ہے۔ ریزے میں مسعود مفتی کا فن پختگی کی منزل پر ہے اور تمام افسانے تاثر سے بھرپور ہیں۔ افسانہ ''چاند تارا'' میں معاشرے کی برائیوں پر طنز کا بھرپور طمانچہ ہے۔ بے ایمانی، رشوت خوری اور بدعنوانی کی نشان دہی کی گئی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> جس بیل گاڑی میں یہ کھمبے لائے گئے تھے۔ اس کے گاڑی بان نے دس روپے کا یہ مقرر کیا تھا مگر رسیدیں روپے کی بنا کر دی تھی۔ ادائیگی کرنے والے نے اسے پانچ روپے فالتو دیے اور پانچ روپے اپنے کوٹ کی اندورنی جیب میں ڈال لیے۔(۲۲)

ہر مرحلے پر رشوت لی اور دی جاتی ہے۔ سامان تک سمگلنگ والا لیا جاتا ہے۔ نچلے طبقے سے لے کر افسرِ اعلیٰ تک سب نے فی سبیل اللہ کچھ نہ کچھ مال بٹورا اور جب یہ کھمبے نصب ہو گئے تو ان پر جھنڈے لہرا رہے تھے۔ اور ان تمام جھنڈوں پر چاند تارے کا اسلامی نشان نصب تھا۔ افسانہ 'واپسی' میں جبر و ظلم کی داستان ان الفاظ میں سناتے ہیں:

> میں ہر چیز برداشت کر سکتا ہوں مگر بدچلنی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے فضل ماشکی کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر یہ بھاگ نہ جاتے تو میں وہیں قیمہ بنا دیتا۔(۲۳)

ان کا افسانہ ''خوانچے والا'' بے بسی کی کہانی ہے۔ اس کو آپ ان الفاظ میں سناتے ہیں؛

> ''وہ تو جی میں نے پیسے والوں کی بات کی تھی۔ غریب کو تو خدا بناتا ہی اسی لیے ہے کہ خلقت کی خدمت کر سکے۔ اور اللہ کو یاد کر سکے اترائی نہ بنتی تو چڑھائی کس بات کا مان کرتی۔''
>
> اس نے خوانچے والے سے پوچھا کہ ''کتنا پڑھے ہوئے؟''

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

''سکول میں تو چار ہی پڑھ سکا جی مگر زمانے کی مار نے بہت کچھ سکھا دیا۔''

''ہاں باتیں تو بڑی سمجھ داری کی کرتے ہو۔'' وہ داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔(۲۴)

غربت بے بسی معاشرتی جبر اور بے حسی اداروں کی ٹوٹ پھوٹ اور معاشرے کے خاص المیاتی عناصر کو ہنرمندی سے پیش کیا ہے۔ان کے فن کو امجد اسلام امجد دوام بخشتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گو کہ مسعود مفتی نے آغاز طنز و مزاح سے کیا لیکن وہ ایک باکمال افسانہ نگار ہیں جنھیں عہد کے پانچ بہترین افسانہ نگاروں کی فہرست میں بلا جھجک شامل کیا جا سکتا ہے۔(۲۵)

خلاصہ کلام یہ کہ افسانے کے میدان میں انھوں نے موضوعات کے مختلف تجربات کیے۔ افسانے کے اسرار و رموز اور پیچیدگیوں پر ان کی گہری نظر ہے۔مسعود مفتی سماج کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں اور زندگی کو جیسے دیکھتے ہیں ویسے ہی افسانوں میں پیش کر دیتے ہیں۔ ان کے افسانے زندگی کی آغوش سے لیئے تلخ و شیریں حقائق کا مظہر ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں روزمرہ کی زندگی کو پیش کیا ہے۔ وہ قاری پر اپنے خیالات و مشاہدات مسلط نہیں کرتے۔

انھوں نے اپنے افسانوں میں معاشرتی مسائل کے ساتھ عام انسان کے احساسات و جذبات کی عکاسی بھی کی ہے۔ ان کے افسانوں کی زبان سادہ، رواں اور پر اثر ہے۔ قاری ان کے فن سے بخوبی واقف ہیں وہ بڑی سے بڑی بات بہت سادگی سے کہہ دیتے ہیں۔ زبان و بیان اور اسالیب کے حوالے سے ہونے والے نت نئے تجربات، زبان کی سادگی اور لہجے کی سچائی کی وجہ سے مسعود مفتی اپنے ہم عصروں میں منفرد اور ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

ان کے افسانوں میں حقیقت نگاری کو اپنایا گیا ہے۔ افسانوں کی زبان میں ایک سادگی اور قدرتی بہاؤ پایا جاتا ہے۔ وہ مشکل الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتے ہیں تا کہ قاری کو کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ان کے جملوں میں تسلسل اور ربط پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے جملے طویل ہوں یا مختصر قاری کو بوجھل نہیں ہونے نہیں دیتے ان کے کچھ افسانوں میں طوالت پائی جاتی ہے۔لیکن پڑھتے ہوئے کبھی بوریت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ان کا انداز بیان ایسا کہ قاری اس سحر میں ڈوبتا جاتا ہے۔اس کے علاوہ اُن کے افسانچے بھی یادگار ہیں۔

حواشی

۱۔ مسعود مفتی، ''جھرنوں سے کرنیں (چند یادیں)''، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۳۱

۲۔ ڈاکٹر مقصودہ حسین، ''مسعود مفتی: شخصیت اور فن''، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء)، ص ۸۰

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۔ مسعود مفتی، جھرنوں سے کرنیں (چند یادیں)، ص ۱۳۰
۴۔ ایضاً، ص ۱۳۱
۵۔ ایضاً، ص ۱۳۲
۶۔ ڈاکٹر مقصودہ حسین، ''مسعود مفتی: شخصیت اور فن''، ص ۱۲۱۔ ۲۳
۷۔ ایضاً، ص ۱۵۳
۸۔ ایضاً، ص ۵۵
۹۔ مسعود مفتی، ''محدب شیشہ'' (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۴۹
۱۰۔ ڈاکٹر مقصودہ حسین، ''مسعود مفتی: شخصیت اور فن''، ص ۱۳۱۔ ۳۴
۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳۶
۱۲۔ ڈاکٹر انور سدید، ''مسعود مفتی: سوشلسٹ حقیقت نگاری کی ایک مثال''، مشمولہ ''تخلیق''، شمارہ ۱۔ ۲، ۱۹۷۴ء
۱۳۔ مسعود مفتی، ''محدب شیشہ''، ص ۲۳
۱۴۔ ڈاکٹر مقصودہ حسین، مسعود مفتی: شخصیت اور فن''، ص ۱۳۹
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۴۱
۱۶۔ ایضاً، ص ۱۵۱
۱۷۔ نذیر قیصر، ''تبصرہ رگ سنگ''، مشمولہ ''بازگشت''، شمارہ جون۔ جولائی ۱۹۷۰ء
۱۸۔ اختر امان، ''قومی ادب کیا ہے؟''، مشمولہ ''نوائے وقت''، ۲۵ ستمبر ۱۹۹۴ء
۱۹۔ ڈاکٹر مقصودہ حسین، ''مسعود مفتی: شخصیت اور فن''، ص ۱۵۱۔ ۵۴
۲۰۔ ایضاً، ص ۱۵۱
۲۱۔ مسعود مفتی، ''رگِ سنگ''، (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۷۰ء)، ص ۱۶۱
۲۲۔ مسعود مفتی، ''سالگرہ''، (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۴ء)، ص ۵۵
۲۳۔ ایضاً، ص ۱۴۴
۲۴۔ مسعود مفتی، ''توبہ'' (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۶۹
۲۵۔ ڈاکٹر مقصودہ حسین، ''مسعود مفتی: شخصیت اور فن''، ص ۱۷۵۔۱۷۶

مآخذ

۱۔ حسین، مقصودہ، ڈاکٹر، ''مسعود مفتی: شخصیت اور فن''، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء
۴۔ مفتی، مسعود، ''جھرنوں سے کرنیں (چند یادیں)''، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء
۵۔ ____، ''محدب شیشہ''، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء
۶۔ ____، ''رگِ سنگ''، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۷۰ء
۷۔ ____، ''سالگرہ''، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۴ء
۸۔ ____، ''توبہ''، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اخبارات و جرائد

۱۔ ''بازگشت''، شمارہ جون۔ جولائی ۱۹۷۰ء
۲۔ ''تخلیق''، شمارہ ۱۔ ۲، ۱۹۷۴ء
۳۔ ''نوائے وقت''، ۲۵ ستمبر ۱۹۹۴ء